زمین پر انسان کی آمد:
مذاہب عالم اور سائنس کے تناظر میں

گل ناز نعیم*

ABSTRACT:

Creation of the universe and the origin of man are among the greatest mysteries of the world. Man from the very beginning is in search of his origin, like who was first man? And where did he come from? Although man's creator told him the answer through revelation. But gradually he mingled his thoughts and views along with the divine dogma. As a result, sometimes man in history seems a supernatural being while sometimes he seems the follower of several gods or associated different partners with the creator. However, according to the religious teachings and realistic scientists there exists a creator in the universe. He created the first man and all existing human beings are his offspring.

تعارف

انسان کے آغاز کو جاننے کے لیے مختلف خیالات وافکار پیش کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے کبھی فلسفہ کا سہارا لیا گیا تو کبھی مذہب کا اور کبھی مختلف قسم کی سائنسی توجیہات پیش کی گئیں۔ ماضی میں یونانی اور اس سے قبل چینی اور مصری فلسفیوں نے اپنے اپنے طور پر مختلف ارتقائی نظریات پیش کیے۔ ان تمام نظریات کی بنیاد ذاتی خیالات اور افکار پر مبنی تھی۔ مذہب سے وابستہ افراد نے وحی الٰہی کے تناظر میں اس پر غور وغوض کیا۔ جبکہ الحادی طاقتیں خالق کے بغیر انسان کے وجود کا جواز پیش کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے دلائل پیش کرتی رہی ہیں۔

فلسفیانہ افکار

قدیم چینی تہذیب کے مطابق ایک انڈے میں پوری کائنات سمائی ہوئی تھی۔ اس انڈے میں موجود مادہ سے پانگو (Pango) وجود میں آیا جس نے دیگر اشیاء تخلیق کیں(۱)۔ جبکہ انسان کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اسے نوگوا (Nugua) دیوی نے تخلیق کیا ہے(۲)۔ اسی طرح مصری تہذیب میں بھی خالق کا تصور موجود تھا۔ وہ ایک خالق کے قائل تھے جو ماورائی

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بینظیر بھٹو شہید یونیورسٹی، کراچی　　برقی پتا: salamte@hotmail.com
تاریخِ موصولہ: ۳/اپریل ۲۰۱۴

فہم وفراست (Devine Intelligence) سے متصف تھا۔اس خالق کو ''نے بر ٹے شئر'' (Neber T. Cher) کا نام دیا گیا تھا(۳)۔

یونانی مفکرین میں تھیلس (Thales) کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کے قائل تھے۔انہوں نے پانی کو زندگی کی بنیاد قرار دیا(۴)۔انگزیمنڈر (Anaximander) کا خیال تھا کہ کائنات کی اصل غیر محدود، غیر متناہی اور بے شکل مادہ ہے (۵)۔جبکہ جاندار اجسام کا وجود مٹی سے ہوا ہے جو ابتدا میں کیچڑ کی طرح تھی (۶)۔ ہیراکلائٹس نے فطرت کی تمام تبدیلیوں کا ذمہ دار آگ کو بتایا نیز یہ کہ انسان کی تخلیق تین بنیادی مادوں آگ ، پانی اور مٹی سے ہوئی (۷)۔ڈیموکرائٹس کے بقول زندگی کی ابتدا غیر نامیاتی مادوں سے ہوئی (۸)۔ایمپی ڈوکلس کے مطابق عناصر اربعہ (مٹی ، ہوا، آگ اور پانی) سے تمام جاندار پیدا ہوئے(۹)۔انیگزاگورس کا کہنا تھا کہ کوئی اندھی قوت اس منظّم کائنات کی خالق نہیں ہوسکتی ، یہ ضرور کسی عاقل کا کام ہے (۱۰)۔ارسطو نے عالم حیات میں بنیادی طور پر پودوں، حیوانات اور انسان کو شناخت کیا ہے۔ان کے خیال میں کسی ایسے حیوان کا وجود ممکن نہیں جس سے تمام حیوانات ارتقاء پذیر ہوئے ہوں(۱۱)۔ارسطو نے جاندار اجسام میں روح (Soul) کی نشاندہی کی اور اسے مختلف نام دیئے۔ جیسے کہ پودوں میں نباتاتی روح (۱۲) (Vegetative Soul) جانوروں میں حسّی روح (۱۳) اور انسانوں میں ذی شعور روح (Rational Soul) ہوتی ہے (۱۴)۔

اپنے ان مشاہدات کی بنیاد پر فلسفی جن نتائج پر پہنچے انہیں بنیادی طور پر دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک وہ جو خالق ومخلوق کے تصور کے قائل تھے اور دوسرا گروہ ان حضرات کا تھا جنہوں نے مادہ کو ازلی قرار دیا۔ جہاں تک مسلمان فلاسفہ کا تعلق ہے تو وہاں خالق ومخلوق کا واضح تصور موجود ہے۔البتہ ان میں سے بعض براہ راست تخلیق کے قائل ہیں جن میں ابراہیم بن سیار المعروف النظام (۱۵)، الکندی (۱۶)، رازی (۱۷)، فارابی (۱۸)، ابوالحسن اشعری (۱۹) اور غزالی (۲۰) شامل ہیں جبکہ بعض بذریعہ ارتقاء انسان کی تخلیق کے قائل ہیں، ان حضرات میں رومی (۲۱)، مسعودی (۲۲)، ابن مسکویہ (۲۳) اور البیرونی (۲۴) وغیرہ شامل ہیں۔

اس طرح انسان کی آمد کے فلسفیانہ تصور نے ایک طرف انسان کو اس بحث میں الجھا دیا کہ آیا وہ اپنی تخلیق کے لیے مادہ کا مرہون منت ہے یا ایک خالق کی تخلیق کا نتیجہ ہے۔دوسری طرف اس کی آمد سے متعلق اتنے مختلف نظریات وخیالات پیش کیے گئے کہ معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھتا چلا گیا۔

مختلف مذاہب کی تعلیمات

ان فلسفیانہ افکار سے ہٹ کر انسان کے آغاز کا ایک پہلو وہ بھی ہے جو مذہب سے وابستہ افراد کو ان کی مذہبی تعلیمات میں ملتا ہے۔اس مقصد کے لیے یہاں بعض مذاہب کی تعلیمات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

ہندومت

انسان اور کائنات کی تخلیق کے حوالے سے ہندومت کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ ہندومت میں خالق کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء کسی اتفاق یا حادثہ سے وجود میں نہیں آئیں بلکہ خالق کی تخلیق کردہ ہیں۔ رگ وید میں ایک خالق (۲۵) کا واضح تصور موجود ہے جس نے عدم (۲۶) سے یہ کائنات تخلیق کی ہے۔ شریمد بھگوت گیتا میں برہما کو انسان اور دیگر جانداروں کا خالق کہا گیا ہے (۲۷)۔ ہندوؤں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ برہما کی سب سے پہلی تخلیق بزرگ ہستیاں (Saints) تھیں۔ جو اپنی تخلیق کے فوراً بعد ہی مراقبہ میں مشغول ہوگئیں۔ برہما نے محسوس کیا کہ ان کی بدولت انواع کا پھیلاؤ ممکن نہیں ہے۔ تب خود برہما کی ذات دو حصّوں میں بٹ گئی۔ جن سے مرد اور عورت بنے۔ مرد کو مانو (Manu)، جبکہ عورت کو شاتا روپا (Shatarupa) کا نام دیا گیا اور ان سے ہی تمام انسان بنے (۲۸)۔

تخلیق سے متعلق ہندومت کی تعلیمات میں بڑی حد تک تضاد کے باوجود اہم بات اشیاء کا خالق کی وجہ سے وجود میں آنا ہے۔ انسان کسی دوسری مخلوق سے نہیں بلکہ براہِ راست خالق کے ذریعے تخلیق کیا گیا پھر مرد او رعورت سے انسان پھیلتے گئے۔

زرتشت ازم

زرتشتی عقیدے کے مطابق اہورامزدا نے انسان کو تخلیق کیا (۲۹) اور پہلا انسان جسے اہورامزدا نے دنیا میں بھیجا اس کا نام گیومرث تھا (۳۰)۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام نسلِ انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا، جو مشیہ اور مشیات تھے یعنی مذکر اور مونث (۳۱)۔

گیومرث کے بارے میں مجوسیوں کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے پیدا ہونے والا شخص گیومرث ہے، اور کبھی وہ سب سے پہلے وجود میں آنے والے انسان کو زروان کبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ گیومرثیہ فرقے کا کہنا ہے کہ گیومرث ہی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ گیومرث کے معنیٰ حی (زندہ) اور ناطق کے ہیں (۳۲)۔ علاوہ ازیں، یہاں انسان کے جسم کی تخلیق کے ساتھ اس میں روح کا تصور بھی موجود ہے (۳۳)۔

یہودیت

یہودی مذہب میں خالق کا واضح تصور موجود ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں یہودی عقائد وتعلیمات کے مطابق کائنات کا خالق، بنی اسرائیل کا خدا اور قانون ساز سب ایک ہی ہیں (۳۴)۔ بائبل کی تعلیمات کے مطابق خدا نے تخلیق کے تمام کام کو مختلف دنوں میں تقسیم کیا اور یہ عمل چھ دن میں مکمل ہوا۔ آخری یعنی چھٹے دن خدا نے خشکی پر پائے جانے والے جاندار تخلیق کیے۔ تمام جانوروں کی تخلیق کے بعد خدا نے انسان کو بنایا (۳۵)۔

یہودی تعلیمات کے مطابق خدا نے اپنی اس تخلیق کو دیگر مخلوقات پر فضیلت دیتے ہوئے اسے اپنی صورت (شبیہ) پر

پیدا کیا۔ یہ پہلا انسانی جوڑا تھا جسے بائبل میں آدم وحوا کا نام دیا گیا ہے(۳۶)۔ پھران سے انسانیت کا سلسلہ آگے بڑھا۔ علاوہ ازیں، انسان کو تخلیق کرنے کے بعد خدا نے اسے ماقبل کی تمام مخلوق پر اختیار دیا(۳۷)۔

مذکورہ یہودی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کے برعکس یہودیت میں جانداروں کی خصوصی تخلیق کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ انسان کی اس دنیا میں آمد کے حوالے سے یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ پہلا انسانی جوڑا خدا کے حکم سے اس زمین پر آیا اور ان سے ہی نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ کہ آدم علیہ السلام ہی موجودہ انسان کے باوا آدم ہیں۔ خدا نے انہیں تخلیق کرنے کے بعد ان کی تعلیم وتربیت کا بھی بندوبست کیا اور خود معلم ومربی بن کر انہیں علم سے آراستہ کیا۔ یعنی یہودی عقیدہ کے مطابق انسان کبھی تہذیب وشعور سے عاری مخلوق نہیں رہا بلکہ وہ خداوند کی طرف سے تربیت یافتہ ہے۔ اس سچائی کا اعتراف کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے خدا کو انسان کا استاد قرار دیا ہے(۳۸)۔ اس لیے انسان تمام مخلوقات سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

عیسائیت

انسان اور کائنات کی تخلیق سے متعلق بائبل (عہد نامہ قدیم) کی تعلیمات یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہیں۔ جو یہودیت کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں اس حوالے سے عہد نامہ قدیم کے علاوہ عیسائیت کی دیگر تعلیمات پیش کی جا رہی ہیں۔

عیسائیت کی تعلیمات کے مطابق خدا نے تمام مخلوقات کو ان کی سرگرمیوں کے اعتبار سے انفرادی طور پر پیدا کیا ہے۔ اگرچہ خدا کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تمام مخلوقات کو ایک ہی بار پیدا کر دیتا(۳۹)۔ یہاں جانداروں کے حادثاتی طور پر وجود میں آنے کی بھی نفی کی گئی ہے اور ارتقاء کے برعکس ان کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوقات خدائے واحد کی خواہش کا نتیجہ ہیں(۴۰)۔ انسان کی تخلیق کے حوالے سے انجیل برنباس کی آیات کے مطابق اللہ نے اپنی طرف سے انسان کو جان عطا کی(۴۱) اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا(۴۲) پھر حوّا کو پیدا کیا اور انہیں آدم کی بیوی بنایا اور دونوں کو جنت کا سردار مقرر کیا(۴۳)۔ ان آیات میں پہلے انسان کے لیے آدم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مذکورہ آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آدم و حوّا سب سے پہلے مرد و عورت تھے جنہیں خدا نے اپنے ارادے سے تخلیق کیا۔ عیسائیت کی تعلیمات میں کہیں نظریہ ارتقاء کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا بلکہ عیسائیت کا بغور جائزہ لیا جائے تو وہاں انسانیت کا عظیم درس ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی بنیاد ہی اخلاقیات پر قائم ہے، جو انسان کو صلح اور امن پسندی کا درس دیتی نظر آتی ہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو(۴۴)۔ شریر کا مقابلہ نہیں کرو، اگر کوئی تمہارے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف کر دو(۴۵) اور یہ

کہ انسان اپنے اعمال کے حوالے سے جوابدہ ہے اگر کوئی انسان خدا کی مخلوق یعنی جانوروں وغیرہ کو پامال کرے گا تو خدا اس انسان کو سزا ضرور دے گا (۴۶)۔

اس کے برعکس نظریہ ارتقاء کو قبول کرنے سے نہ تو انسان پر کسی طرح کی کوئی پابندی عائد ہوتی ہے نہ ہی اس کی زندگی کا کوئی مقصد واضح ہوتا ہے۔ اس لیے جب انسان کو یہ احساس ہو کہ کوئی اس کا خالق نہیں ہے اور وہ کسی کو جوابدہ نہیں ہے۔ تو وہ دنیا کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ وہ اقتدار اور طاقت کے بل پر ظلم و جبر کرنے لگتا ہے۔

اسلام

انسان کی پیدائش کے حوالے سے قرآن پاک کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں ارتقاء یا اتفاق سے انسان کی پیدائش کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ کائنات اور اس میں موجود اشیاء کی پیدائش کا ذکر عموماً لفظ "خَلَقَ" سے کیا جاتا ہے۔ خلق اور اس سے مبنی دیگر الفاظ قرآن پاک میں کل ۲۰۹ مقامات (۴۷) پر استعمال کیے گئے ہیں۔

انسان کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری مخلوق (فرشتوں) سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں (۴۸)۔ لفظ بشر کے لغوی معنی ہیں جسم کثیف جس کی ظاہری سطح کسی دوسری چیز سے ڈھکی ہوئی نہ ہو۔ یعنی بشر کی جلد دوسرے حیوانات کی طرح اون، بالوں یا پروں سے ڈھکی ہوئی نہ ہوگی (۴۹)۔ انسان کی تخلیق کی مزید وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (۵۰)

''اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

انسان کی یہ تخلیق کس طرح سے ہوئی تھی؟ مٹی کو کس طرح انسانی جسم عطا کیا گیا اور یہ خاک کس طرح جیتے جاگتے انسان میں تبدیل ہوگئی اس بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ انسانی تخلیق کے آغاز کو تفصیلی کیفیت کے ساتھ سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے کہ مواد ارضی سے بشر کس طرح بنایا گیا، پھر اس کی صورت گری اور تعدیل کیسے ہوئی، اور اس کے اندر روح پھونکنے کی نوعیت کیا تھی؟ لیکن بہرحال یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید انسانیت کے آغاز کی کیفیت ان نظریات کے خلاف بیان کرتا ہے جو موجودہ زمانہ میں ڈارون کے متبعین سائنس کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ قرآن کی رو سے انسانیت کا آغاز خالص انسانیت سے ہی ہوا ہے، اس کی تاریخ کسی غیر

انسانی حالت سے قطعاً کوئی رشتہ نہیں رکھتی۔ وہ اوّل روز سے انسان ہی بنایا گیا تھا اور خدا نے کامل انسانی شعور کے ساتھ پوری روشنی میں اس ارضی زندگی کی ابتدا کی تھی (۵۱)۔

دراصل ہم اپنے محدود حواس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس رازِ حیات کا ادراک نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے حواس خمسہ نور (روشنی) سے بنے ہوئے فرشتوں اور آگ (کی لپیٹ) سے تخلیق کیے گئے جنات کے وجود کا احساس نہیں کر سکتے۔شاید یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ ہم نے مٹی سے انسان کو تخلیق کیا، تو فہم و فراست میں کمال رکھنے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی منطقی دلیل کے اسے تسلیم کرلیا، وہ فرماتے ہیں "میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارك الله احسن الخالقين نکلا اور وہی پھر اترا" (۵۲) یعنی پھر یہی آیت نازل ہوئی۔

اس طرح وہ پہلا انسان وجود میں آیا جو اسلامی تعلیمات کی رو سے موجودہ انسان کا جدامجد ہے۔قرآن پاک میں اس پہلے بشر کے لیے " آدم " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ قرآن پاک میں کوئی ایسی آیت نہیں جو آدم علیہ السلام کے اوّلین انسان ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ان حضرات میں مصری عالم محمد توفیق صدقی بھی شامل ہیں (۵۳)۔ دراصل قرآن میں واقعات کی تفصیل کے بجائے انہیں اجمالاً پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ایک آیت کی وضاحت کسی دوسری آیت سے کی جارہی ہوتی ہے۔یہی معاملہ قصہ آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ جب اس کی تخلیق مکمل ہوجائے تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجائیں۔ اب رہا یہ معاملہ کہ یہ اوّلین بشر کون تھا؟ تو اس کی وضاحت قرآن پاک ہی کی ایک دوسری آیت میں اس طرح کی گئی ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. (۵۴)

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہوگیا۔"

درج بالا آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر مخلوق بسانے کی غرض سے سب سے پہلے جس بشر کی تخلیق کی، اسے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور زمین پر بطور خلیفہ نامزد کیا وہ آدم علیہ السلام ہی تھے۔

تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھیجنے سے قبل جنت میں ٹھہرایا جہاں ان کی زوج بھی ان کے ساتھ تھیں۔اس کا اظہار قرآن پاک میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَقُلْنَا يَاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا. (۵۵)

"اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم (علیہ السلام)! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو۔"

یہ اولین انسانی جوڑے کی تخلیق تھی جن سے نسل انسانی پھیلتی چلی گئی۔ ارتقائی مراحل طے کر کے انسانیت کے مقام پر پہنچنے والے انسان کو ارتقاء پسند ایک لاعلم، غیر مہذب، بے زبان اور بے یار و مددگار انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ قرآن کریم جس انسان کو اوّل انسان قرار دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ خاص طور پر تخلیق کرتے ہیں۔ وہ علم سے آراستہ (۵۶) اور مشکل مراحل میں اپنے علم کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہوا نظر آتا ہے جیسے ابلیس کے بہکانے پر آدم علیہ السلام غرور و گھمنڈ میں مبتلا ہونے کے بجائے ایک مذہب اور باشعور انسان کے طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے علم کو استعمال کرتے ہوئے ان کلمات سے جو اللہ نے ہی انہیں سکھائے تھے، (۵۷) توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے اس قصہ سے ان تمام ارتقائی داستانوں پر کڑی ضرب پڑتی ہے جو ابتدائی انسان کو ایک گونگی بہری، غیر مہذب و بے شعور مخلوق کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ چاہے تو تمام جانداروں کو خصوصی طور پر تخلیق کر دے اور چاہے تو انہیں ارتقائی سلسلے سے منسلک کر دے۔ جہاں تک انسان کا معاملہ ہے تو اس کی خصوصی تخلیق کے حوالے سے سورۃ الکہف کی درج ذیل آیت بہت اہم ہے:

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ. (۵۸)

"اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کیے جائیں گے۔ لو دیکھ لو آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ یا ابتدا میں پیدا کیا تھا اسی طرح قیامت کے دن بھی پیدا کیا جائے گا۔ یعنی انسان کی تخلیق نو (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) بالکل اسی طرح ہوگی جس طرح پہلی پیدائش ہوئی تھی۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ یہ پہلی پیدائش جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے کون سی ہے؟ کیا یہ نطفے سے انسان کی تخلیق کا ذکر ہے یا ارتقائی سلسلے کی نشاندہی کر رہی ہے یا مٹی سے آدم کی ابتدائی تخلیق کے بارے میں ہے۔ جہاں تک نطفے سے انسان کی پیدائش کا معاملہ ہے تو بالکل واضح ہے کہ یہاں اس کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اپنی اس پیدائش کے موقع پر تو انسان بالکل لاچار اور بے بس تھا۔ اب اگر اسے ارتقائی سلسلے کے تناظر میں دیکھا جائے تو ارتقائی انسان ایک طویل سفر کر کے اس منزل پر پہنچا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چلنے لگیں گے (۵۹)۔ لہٰذا، یہاں ایسی کسی بات کی نشاندہی نہیں ہوتی کہ روز قیامت کوئی ارتقائی سلسلہ شروع ہوگا اور ننھا خلیہ ارتقائی مراحل طے کر کے انسان کی حالت میں سامنے آئے گا۔ بلکہ جس طرح ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدم کی تخلیق کی تھی

بالکل اسی طرح تخلیق نو ہوگی۔یعنی تمام انسان جنہیں مرنے کے بعد خواہ زمین میں دفن کیا گیا ہو، جلا دیا گیا ہو یا پانی میں بہا یا گیا ہو، ان سب کے اجزاء آخر کار مٹی ہی کا جز بنے ہوں گے اور روز قیامت تمام منتشر اجزاء اللہ کے حکم کے تحت دوبارہ یکجا ہو جائیں گے۔اس طرح انسان کی تخلیق نو کی جائے گی جو اس کی ابتدائی تخلیق سے مشابہت رکھتی ہے۔

آدم علیہ السلام کی خصوصی تخلیق کی ایک اور دلیل عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہے۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے حضرت مریم علیہا السلام سے پیدا کیا اور قرآن پاک میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے(۶۰)۔جس طرح آدم علیہ السلام کو معجزاتی طور پر بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا تھا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی بھی معجزانہ پیدائش عمل میں آئی اور وہ بغیر باپ کے دنیا میں آئے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب اور اہل عرب آدم علیہ السلام کی خصوصی تخلیق کے قائل تھے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق سمجھانے کے لیے آدم علیہ السلام کی مثال پیش کی۔ورنہ اگر آدم علیہ السلام کی تخلیق اس کے برعکس ہوئی ہوتی تو یہ مثال نہیں دی جاسکتی تھی کیونکہ ایک سمجھ میں نہ آنے والی بات کو سمجھانے کے لیے اسی مثال کا سہارا لیا جاسکتا ہے جس سے واقفیت ہو۔نہ کہ کسی مبہم بات کی وضاحت کے لیے دوسری مبہم بات کا سہارا لیا جائے۔

علاوہ ازیں، اسلامی نقطہ نظر سے خالق کائنات نے صرف انسانوں کو ہی خصوصی طور پر تخلیق نہیں کیا بلکہ ان سے قبل فرشتوں(۶۱) اور جنات (۶۲) کی تخلیق بھی عمل میں لائی جاچکی تھی۔اب اگر قرآن کریم کی روشنی میں نظریہ ارتقاء کے حق میں دلائل دینے والے مفسرین کی بات کریں تو ان کے پاس جنات کی تخلیق کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔کیونکہ سائنسی علم کی بنیاد ہمارے حواس خمسہ پر ہے اور حواس خمسہ میں سے ہر ایک کا ایک محدود دائرہ کار ہے۔علاوہ ازیں، سائنس کا تعلق مادی اشیاء سے ہے مافوق الفطرت مخلوقات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔اس لیے سائنس جنات کی موجودگی کو تسلیم ہی نہیں کرتی چہ جائیکہ ان کی تخلیق کی بات کی جائے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک زندہ خلیہ میں غذا کا حصول صرف اس لیے ہوتا ہے کہ زندگی کے افعال سرانجام دینے کے لیے درکار توانائی کا حصول کیا جائے۔نباتات وحیوانات میں توانائی کو اپنے مصرف میں لانے کے لیے اس کو اے ٹی پی (Adenosine Triphosphate) کی صورت میں جمع کیا جاتا ہے اور اسی صورت میں اپنے استعمال میں لایا جاتا ہے۔کیا اس بات کا امکان نہیں ہوسکتا کہ جنات توانائی کے اس تبادلے کی کوئی اور صورت استعمال کرتے ہوں، جس کو موجودہ سائنس ابھی پہچاننے سے قاصر ہو۔کچھ عرصہ قبل تک وہ مقامات جہاں زندگی کا تصور محال تھا ان مقامات پر بیکٹیریا کو غیر روایتی انداز میں خوراک حاصل کرتے دیکھا گیا ہے۔تو کیا جنات کا وجود ممکن نہیں ہوسکتا ہے؟ اگر ہوسکتا ہے تو ارتقائی حوالے سے اس کا تعلق کس طرح جوڑا جائے گا؟

آغاز انسان کی سائنسی بنیادیں

اب تک فلسفیانہ تناظر میں پیش کیا جانے والا نظریہ ارتقاء کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔لیکن جب انیسویں صدی میں نظریہ ارتقاء کو سائنسی لبادے میں پیش کیا گیا تو اسے خوب پذیرائی ملی۔اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اس دوران سائنس اور مذہب (عیسائیت) میں ایک تصادم برپا تھا اور سائنس کو خالص مادی بنیادوں پر استوار کر دیا گیا تھا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی ردوبدل ہو چکا تھا۔ چنانچہ مذہب کی ہر بات کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔اسی دوران زمین کی تاریخ سے متعلق بعض ایسے حقائق بھی منکشف ہوئے جو بائبل کے بیان کردہ کیلنڈر سے زیادہ وسیع تھے۔جیسے کہ تخلیق آدم سے متعلق بائبل کا بیان کہ وہ چار ہزار سال قبل مسیح ہوئی تھی اسی طرح بائبل کا یہ کہنا کہ کائنات کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی، دونوں ہی سائنسی حلقوں میں رد کر دیئے گئے۔اس طرح تخلیق آدم کی جگہ نظریہ ارتقاء نے لے لی۔

سائنس دراصل اس حد تک سوالات کے جوابات دے سکتی ہے جہاں تک ہمارے حواس خمسہ کام کرتے ہیں۔مثلاً پہلے جاندار اجسام میں صرف حیوانات نباتات اور انسان کو جاندار تصور کیا جاتا تھا، مگر خوردبین کی ایجاد نے انسان کی بصارت میں اضافہ کر دیا اور جانداروں کی صف میں انسانی آنکھ سے نہ نظر آنے والی مخلوقات بیکٹیریا اور وائرس کو بھی شامل کیا گیا۔آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی سائنسدان اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ الیکٹرانک مائیکرواسکوپ کی موجودگی کے باوجود روشنی کے طیف میں سے ایک مختصر سے حصّے کو دیکھنے کے قابل ہیں۔اس روشنی کے طیف سے ہٹ کر اگر کوئی جاندار ہے تو وہ اس کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔

نظریہ ارتقاء کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی مسئلہ ہے بلکہ بعض معاملات تو نظریہ ارتقاء کے دائرہ کار ہی سے باہر ہیں۔اس سلسلے میں اوّلین چیز حیات ہے۔نہ صرف نظریہ ارتقاء بلکہ پورا حیاتیاتی علم آج تک اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ حیات کیا ہے اور اس کا آغاز کیسے ہوا؟ حیات کی طرح موت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ماہرین حیاتیات آج تک اس مسلمہ حقیقت کو نہیں جان سکے کہ جاندار موت کی آغوش میں کیوں چلے جاتے ہیں؟

دراصل بغیر خالق کے مخلوق کا تصور انسان کے لیے ہضم کرنا مشکل تھا چنانچہ اسے قابل قبول بنانے کے لیے سائنس کا سہارا لیا گیا۔لیکن سائنس بھی کائنات اور انسان کی تخلیق جیسے سوالات کے حتمی جواب دینے سے قاصر تھی، مسلم مفکرین کے نظریات سے روگردانی کی وجہ محض تعصب تھا، ان سوالات کے جوابات کے لیے یونانی مفکرین سے بنیادیں استوار کی گئیں۔اس کام میں سر فہرست الحادی طاقتیں تھیں کیونکہ انہیں اس نظریہ کی بدولت خالق کے وجود سے انکار کا جواز مل جاتا تھا۔اسی طرح نازی ازم (Nazism) اور فاشزم (Fascism) نے بھی اپنے انسان دشمن افکار کی تائید میں نظریہ ارتقاء کو سائنسی دلیل کے طور پر پیش کیا۔جبکہ وہ تمام افراد جو مذہب سے بیزار یا خالق کے انکاری تھے وہ اپنے نظریات کا پرچار

کرنے کے لیے ارتقاء کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

نظریہ ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے کچھ ارتقاء پسندوں نے جعل سازیوں کا بھی سہارا لیا۔ جیسے جرمن سائنسدان ارنسٹ ہیکل کی جعل سازی پکڑی گئی تو ارنسٹ ہیکل نے اس بات کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نظریہ ارتقاء کو درست ثابت کرنے کے لیے جعلی تجربات کرنے والا وہ اکیلا نہیں ہے(۶۳)۔ چنانچہ ارتقاء پسندوں کی طرف سے کی جانے والی ان جعل سازیوں نے بھی عوام کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر نظریہ ارتقاء درست ہے تو پھر ارتقاء پسندوں کو اپنی بات ثابت کرنے کے لیے جھوٹ اور جعل سازیوں کا سہارا لینا کیوں پڑ رہا ہے؟ اور اگر یہ غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ غرض انسان کے نقطہ آغاز سے متعلق پائے جانے والے نظریات نے عوام الناس کو مطمئن کرنے کے بجائے انہیں مزید شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا۔

سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ نہ صرف ڈارونیت (Darwinism) بلکہ نظریہ ارتقاء کے بھی بہت سے پہلو مشکوک ہوتے چلے گئے اور بعض حقیقت پسند سائنسدانوں نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ جیسے مائیکل بی ہی کا کہنا ہے کہ تمام علوم (Sciences) کا آغاز قیاس آرائی سے ہوتا ہے صرف ڈارونیت اس پر ختم ہوتا ہے(۶۴)۔ تاہم، دیگر مشکوک نظریات کے برعکس نظریہ ارتقاء کو رد کرنے کے بجائے ایک مسلمہ حقیقت اور نظریہ حیات بنا لیا گیا۔

خلاصہ بحث

انسان کے نقطہ آغاز کے حوالے سے اگر نظریہ ارتقاء کا بالکل غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کا نقطہ آغاز متعین کرنے میں نظریہ ارتقاء کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا ہے۔ کیونکہ بعض معاملات تو نظریہ ارتقاء کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ اس سلسلے میں اوّلین چیز حیات ہے کہ حیات کیا ہے؟ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ حیات کی طرح موت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ ماہرین حیاتیات آج تک نہیں جان سکے کہ جاندار موت کی آغوش میں کیوں چلے جاتے ہیں؟ لہٰذا، جو علم انسان کی زندگی وموت کے اس بنیادی علم سے واقف نہیں ہے وہ اگر انسان کے نقطہ آغاز کا تعین کر رہا ہے تو اسے تسلیم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غیر جانبدار ہو کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

دوسری طرف نظریہ ارتقاء کے متبادل تخلیق کا عقیدہ زمانہ قدیم سے ہی انسانوں میں مقبول رہا ہے۔ اس سلسلے میں نہ صرف مذاہب بلکہ بعض قدیم تہذیبوں میں بھی خالق اور انسان کی تخلیق کا واضح عقیدہ پایا جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نظریہ ارتقاء کا مسئلہ یہ ہے کہ حیات کا آغاز اچانک ایک دفعہ ہو گیا اس کے بعد اسی حیات سے سلسلہ چل رہا ہے۔ مسلم عقیدہ کے تحت ہم اس بات کے قائل ہیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے اور وہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور جب چاہے جس طرح چاہے زندگی شروع کر سکتا ہے۔ اس بارے میں خود اللہ پاک کا یہ فرمان بہت اہمیت کا حامل ہے کہ روز قیامت تم ہمارے پاس اسی طرح آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار تخلیق کیا تھا۔

جبکہ نظریہ ارتقاء کے تحت مرنے کے بعد زندگی کا تصور ممکن نہیں ہوسکتا، نہ ہی حیات ابدی کا کوئی تصور قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ سائنس نہ تو حیات کی تعریف بیان کرسکتی ہے اور نہ ہی حیات اور موت کو سمجھ سکتی ہے، نظریہ ارتقاء دراصل ایک ایسی گتھی ہے جس کے دونوں سرے معلوم نہیں ہیں۔

اوّل تو نظریہ ارتقاء کے تحت ابھی تک انسان کے جدِّ امجد کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکی ہے، پھر حضرت آدمؑ، بی بی حوا، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی کوئی سائنسی تشریح پیش نہیں کی جاسکتی۔ دراصل حیات کی ابتدا اللہ جیسے چاہے کرسکتا ہے اور جب چاہے کرسکتا ہے۔ نظریہ ارتقاء کو مذہبی لبادہ پہنانے میں یہی مشکل درپیش ہے کہ ہم اللہ کو چند ضابطوں میں مقید نہیں کرسکتے ہیں۔ (بہر حال اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اُس کے کام ضابطوں کے تحت چل رہے ہیں۔ معجزے کبھی کبھی ہی اُس نے کیے ہیں۔ مدیر)

مراجع وحواشی

(۱) Donna Rosenberg, (1986), "Mythology, An Anthology of the great Myths and Epics", London: Harrap, p. 390-91

(۲) Ibid, p. 391

(۳) احمد، امتیاز، پروفیسر، ڈاکٹر اور قادری، صلاح الدین، سید، ڈاکٹر (۲۰۰۷ء)، ارتقاء، کراچی: ادارہ تصنیف وتالیف وترجمہ وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، ص ۱۷

(۴) الجسر، الشیخ ندیم (۲۰۰۶ء)، فلسفہ سائنس اور قرآن، مترجم خدابخش کلیار، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ص ۵۰

(۵) ایضاً　(۶) احمد، امتیاز، پروفیسر، ڈاکٹر اور قادری، صلاح الدین، سید، ڈاکٹر (۲۰۰۷ء)، ارتقاء، بحوالہ بالا ص ۱۹

(۷) ایضاً ص ۲۲　(۸) ایضاً ص ۲۵　(۹) ایضاً ص ۲۳

(۱۰) الجسر، الشیخ ندیم، فلسفہ سائنس اور قرآن، بحوالہ بالا ص ۵۷

(۱۱) احمد، امتیاز، پروفیسر، ڈاکٹر اور قادری، صلاح الدین، سید، ڈاکٹر (۲۰۰۷ء)، ارتقاء، بحوالہ بالا ص ۳۱۔۳۰

(۱۲) Aristotle, (1907), "De Anima", Translated by R.D. Hicks, Cambridge University Press, p. 295

(۱۳) Ibid, p. 482　(۱۴) Ibid, p. 298

(۱۵) شہرستانی، امام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد (۲۰۰۷ء)، کتاب الملل والنحل طبع ثانی، مترجم علی محسن صدیقی، کراچی: قرطاس ادارہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ص ۹۶

(۱۶) ہاشمی، خادم علی، پروفیسر (۲۰۰۶ء)، الکندی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص ۲۶۳

(۱۷) بھائی، ہود علی، میر، پرویز (۲۰۰۶ء)، مسلمان اور سائنس، لاہور: مشعل بکس، ص ۱۷۸

(۱۸) Fakhry, Majid, (1983), "A History of Islamic Philosophy", 2nd Ed, New York: Columbia University Press, p. 102

(۱۹) شہرستانی، امام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد، کتاب الملل والنحل، بحوالہ بالا ص ۱۴۴

(۲۰) Fakhry, Majid, (1983), "A History of Islamic Philosophy", p. 286

(۲۱) خان،عبدالسلام(۱۹۸۱ء)،افکار رومی،نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،ص ۲۰۹

(۲۲) احمد،امتیاز،پروفیسر،ڈاکٹر اور قادری،صلاح الدین،سید،ڈاکٹر،ارتقاء،بحوالہ بالا،ص ۳۹

(۲۳) محمد اقبال،علامہ(۲۰۱۰ء)،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ،مترجم سید نذیر نیازی،لاہور: بزم اقبال،ص ۱۸۲

(۲۴) احمد،امتیاز،پروفیسر،ڈاکٹر اور قادری،صلاح الدین،سید،ڈاکٹر،ارتقاء،بحوالہ بالا،ص ۴۰

(۲۵) صدیقی،آزاد،عبدالرحمٰن(۱۹۷۸ء)،ارمغانِ وید،کراچی: مکتبہ جاء الحق،ص ۵۹

(۲۶) البیرونی،ابوریحان(۲۰۰۶)،کتاب الہند،لاہور: بک ٹاک،ص ۱۷۲

(۲۷) لاسی،مولچند،ڈاکٹر(مترجم)(۲۰۱۰)،شریمد بھگوت گیتا،شارح سوامی رام سکھداس،ناشر پروفیسر کمار ایم ڈیمانی،ص ۶۵

(۲۸) Swami Prabhavananda, "The Spiritual Heritage of India", Hollywood, California: Vedanta Press, p. 140

(۲۹) Taylor, B. R. and et al., (2005). "The Encyclopedia of Religion and Nature", London: Thoemmers Continuum, Vol. 2, p. 1813

(۳۰) خان،یوسف،محمد،تقابلِ ادیان،بحوالہ بالا،ص ۳۵۶ (۳۱) ایضاً،ص ۱۴۳ (۳۲) ایضاً،ص ۳۴۲

(۳۳) Hastings, J.,"Encyclopedia of Religion and Ethics", (2003), Vol. XII, T&T Clark Acontinuum imprint London, p.866

(۳۴) "The New Encyclopedia Britannica", 15th Ed, Vol 22, p. 413

(۳۵) بائبل،کتاب پیدائش،باب۱،آیت ۲۴ تا ۳۱ (۳۶) ایضاً،آیت ۲۱ اور ۲۲ (۳۷) ایضاً،آیت ۲۴ تا ۳۱

(۳۸) "The New Encyclopedia Britannica", p. 413

(۳۹) وین ڈی ویئر،رابرٹ،مسیحیت،مترجم ملک اشفاق،بک ہوم،لاہور،۲۰۰۷ء،ص ۱۰۳ (۴۰) ایضاً،ص ۱۰۱

(۴۱) انجیل برنباس(۱۹۸۰ء)،لاہور: اسلامی مشن،باب ۳۹،آیت ۱۳ (۴۲) ایضاً،آیت ۱۸۔۱۷

(۴۳) ایضاً،آیات ۲۸ تا ۳۴ (۴۴) بائبل،متی،باب ۵،آیت ۴۴ (۴۵) ایضاً،آیت ۳۹

(۴۶) وین ڈی ویئر،رابرٹ،مسیحیت،بحوالہ بالا،ص ۱۰۳

(۴۷) سعید،محمد(۲۰۰۴ء)،معجم المفہرس،کراچی: دارالاشاعت (۴۸) القرآن ۳۸:۷۱

(۴۹) مودودی،ابوالاعلیٰ(۱۹۹۸ء)،تفہیم القرآن،ج ۴،لاہور: ادارۂ ترجمان القرآن،ص ۳۴۸

(۵۰) القرآن ۱۵:۲۹۔۲۸ (۵۱) مودودی،ابوالاعلیٰ،تفہیم القرآن،بحوالہ بالا،ج ۲،ص ۱۱

(۵۲) ابن کثیر،ابوالفداء،عماد الدین،حافظ(۲۰۰۴ء)،تفسیر ابن کثیر،ج ۳،لاہور: ضیاء القرآن(تفسیر سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱۴)،ص ۴۱۵

(۵۳) ندوی،محمد شہاب الدین(س۔ن)،تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء،کراچی: مجلس نشریات اسلام،ص ۱۹۵ (۵۴) القرآن ۲:۳۴

(۵۵) القرآن ۲:۳۵ (۵۶) القرآن ۲:۳۱ (۵۷) القرآن ۲:۳۷ (۵۸) القرآن ۱۸:۴۸

(۵۹) القرآن ۳۶:۵۱ (۶۰) القرآن ۳:۵۹ (۶۱) القرآن ۳۵:۱ (۶۲) القرآن ۱۵:۲۷

(۶۳) Darwin Charles, The Origin of species and The Descent of Man, p. 179

(۶۴) Michael J. Behe, (2006), "Darwin's Black Box", 10th Anniversary Ed, New York: Free Press